دینی جلسوں کا معیار

ایک تعمیری جائزہ

بزم دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

نومبر ۲۰۱۹ء کا عنوان — دنیا کی صلاح و فلاح میں صوفیاے کرام کا کردار

دسمبر ۲۰۱۹ء کا عنوان — این. آر. سی. اہل ہند کے لیے مفید یا مضر؟ ایک جائزہ۔

دینی جلسے: ایک تعمیری جائزہ

از: **مولانا محمد توفیق عالم مصباحی**، مدرسہ اہل سنت ضیاء الاسلام، پلاموں، جھارکھنڈ

جلسہ دعوت و تبلیغ کے نبوی اسالیب کا ہی ایک اسلوب ہے، یہ بڑا موثر طریقہ ہے، لوگوں تک بآسانی اور جلد اپنی باتیں پہنچائی جاتی ہیں، آج بھی یہ طریقہ رائج ہے، زمانۂ قدیم میں جلسے کا مقصود دین کی ترویج و اشاعت ہوتا تھا، اس کے رنگ و آہنگ سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ دین کی تبلیغ ہوگی، مگر آج اکثر جلسے اپنی افادیت کھو چکے ہیں، شہرت اور نام و نمود مطمح نظر بن چکا ہے۔

جلسوں میں در آئیں خامیاں اور ان کی اصلاح:

اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا جاتا ہے کہ ہمارے یہاں جلسے غیروں کی بہ نسبت زیادہ ہوتے ہیں، اس کے باوجود بے عملی، مہجوری اور کج روی بڑھتی چلی جا رہی ہے اور اثر پذیری کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اس کے وجوہات تلاش کریں تو مختلف اسباب و علل ملتے ہیں:

پابندیِ اوقات سے گریز: کسی بھی پروگرام کی کامیابی میں وقت کی پابندی کا بڑا دخل ہوتا ہے، رات دیر تک شور و ہنگامہ ہو تو جلسے کو کامیاب سمجھا جاتا ہے، مگر مقاصد کے پیش نظر جلسے کی کامیابی پابندیِ اوقات کا متقاضی ہے۔ اس شب بیداری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کارآمد باتیں بھی ذہن سے نکل جاتی ہیں۔

نمازِ فجر قضا ہو جاتی ہے: آنے والا دن سستی و کاہلی کی نذر ہو جاتا ہے اور آس پاس غیروں کی آبادی ہو تو ان کی بھی نیند متاثر ہوتی ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ دورانیہ کم کیا جائے اور طوالت سے گریز۔

موضوع کی تعیین نہ ہونا: ہمارے ہاں بیش تر جلسوں میں خطیب کو نہ کوئی عنوان دیا جاتا ہے اور نہ کوئی موضوع۔ یہ کتنا سود مند ہوگا بتانے کی ضرورت نہیں، جب کہ مختلف مہینوں میں مختلف پروگرام ہوتے ہیں، ایک عام شخص کی توجہ بھی اس جانب منعطف ہوتی ہے کہ متعلقہ مہینے پر ہی گفتگو ہوگی، محرم میں شہداے کربلا، ماہِ ربیع الاول میں آقا کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور ماہِ ربیع الثانی میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ ہدفِ خطاب ہوں گے، اس زاویے سے ہٹ کر گفتگو ہوئی تو لوگوں کو ناگوار گزرتا ہے، یہ اشاریہ ہے کہ پروگرام میں موضوع کا انتخاب ہو۔

عناوین کے انتخاب میں مدعو کے مزاج و ماحول اور علاقائی و جغرافیائی تقاضوں کا لحاظ بھی لازم ہے۔ جس علاقے میں جلسے ہوں وہاں کے مقامی علما و ائمہ علاقائی حالات و ضروریات کے مطابق عناوین منتخب کریں اور جلسے کے اشتہار میں عناوین کی بھی تشہیر ہو، موضوع کے تعین کا فائدہ یہ ہے کہ سامع کا ذہن منتخبہ عناوین کے مختلف گوشوں کی جانب مبذول ہوتا ہے اور یہی خطیب کا وعظ اور خطاب سننے کے لیے مہمیز کرتا

ہے۔ منتخب عنوان کے تحت گفتگو کے بعد ایک سیشن سوال و جواب کا بھی ہو تاکہ متعینہ عنوان پر سامع نے جو سوال اپنے ذہن میں قائم کر رکھا ہے اگر اس کا جواب مل گیا تو فبہا، ورنہ وہ جواب کا متلاشی ہوگا، اسے سوال و جواب کے سیشن سے اپنے سوال کا جواب مل جائے گا۔ یہ بھی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے کہ دینی مسائل پر مشتمل سوال و جواب ہوں جو دین سے شغف رکھنے والے کے ترجیحات میں شامل ہیں۔ اس طرح دین کی تبلیغ بھی ہوگی اور پروگرام کامیابی سے ہم کنار بھی۔

غیر سنجیدہ ہنگامہ آرائیاں: بے ہنگم نعرے، غیر سنجیدہ گفتگو اور جارحانہ انداز تبلیغ کے منافی ہیں، خطیب کے لیے ضروری ہے کہ متانت و سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کرے اور دین سے کمزور پڑتے رشتوں کو استحکام بخشے۔ صرف سامعین کے حظ و لطف پیشِ نظر نہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ کے تبلیغی طریقۂ کار پر طائرانہ نگاہ ڈالیں تو تبلیغی روش دو حصوں پر مشتمل نظر آتی ہے: [۱] انذار [۲] تبشیر۔

آج اکثر خطیب پہلے حصے کو پرے رکھتے ہیں کہ اس میں نہ واہ واہی ہے اور نہ شور و ہنگامہ۔ شاید ہی کوئی اہلِ نظر گفتگو کرے۔ دوسرے حصے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے تاکہ سامعین سے داد و تحسین کی وصولیابی آسان ہو۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے اپنے عہد میں بشارتوں پر مشتمل وعظ و تقریر پر قدغن لگانے کی بات کہی تھی اور صرف انذار (بد عملی سے ڈرانے) پر زور دیا تھا جب کہ ہم ان کے زمانے اور ان کے دور کی خوبیوں سے کوسوں دور ہیں۔ ہمارے ہاں بد عملی، بے راہ روی، نماز و روزہ سے دوری اور فحاشی و گناہ پر آمادگی حد درجہ بڑھ چکی ہے، پھر ایسے حالات میں کیوں کر بشارتوں پر تقریریں ہوں اور ہوں تو دونوں پہلو مرکزِ خطاب ہوں، لیکن اس سلسلے میں بھی ہم افراط و تفریط کے شکار ہیں۔

بسا اوقات، مخالفین کا خوب بخیہ اُدھیڑا جاتا ہے، اگر مخالفین حاضر ہیں تو دلائل سے بھرپور اور شائستہ لب و لہجہ میں اپنی بات منوانے کی کوشش کریں اور مخالفین کی عدم موجودگی میں چیخ و پکار سے یہ سمجھنا کہ میدان ہمارا ہو گیا، یہ سطحیت کی طرف اشارہ ہے۔ ہاں سامعین کو مخالفین کے عقائد و نظریات سے آگاہ کرنا ہو تو بھی متانت و شرافت اور دلائل کی قوت سے صرفِ نظر مناسب نہیں۔

تسبیحی کلمات اور نعت خوانی: آج ہماری نعت خوانی میں حمد و منقبت کا خاصا امتزاج ہے، جو خود ایک سوالیہ نشان ہے کہ کیا نعت، نعت ہے؟ ادبی اعتبار سے صنفِ نعت کے اصول و ضوابط بھی متاثر ہوتے ہیں اور اہلِ ذوق کو تسکین کا سامان بھی نہیں ملتا۔ نیز گانے اور میوزک کی دھن پر نعت خوانی نعتیہ تقدس کی پامالی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس ضمن میں ہمارے نعت خواں صحیح سمت قبلہ متعین کریں۔ ہماری محفلوں میں قابلِ غور و فکر یہ بھی ہے کہ بعض نعت خواں اور خطیب سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کے بغیر ایک قدم چلنا بھی گوارا نہیں کرتے، کلماتِ تسبیح و تہلیل کا استعمال اس حد تک ہے کہ کوئی جملہ کوئی شعر پسند آ گیا تو از خود سامع سبحان اللہ، ماشاء اللہ کہہ اٹھے۔

ہاں سامعین بے توجہی اور بے التفاتی کا مظاہرہ کر رہے ہوں تو ان کی توجہات اپنی جانب مبذول کرانے کے لیے سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کہلوائیں، مگر اس قدر نہیں کہ ان کی سماعت پر گراں گزرے۔

قول و عمل: قول و عمل میں تضاد، عملی افلاس اور اخلاقی زوال تبلیغِ دین میں رخنہ انداز ہوتا ہے، آج دنیا کی نگاہ داعی کے اقوال کے ساتھ ان کے اعمال پر بھی رہتی ہے، مگر اکثر خطبا و شعرا کی گفتگو، کردار کی صالحیت، اخلاقی بلندی اور اسلامی سادگی و خوبی پر مبنی ہوتی ہے، مگر ان کا طرزِ عمل، رہن سہن، اور لباس و حلیہ اس کے خلاف چغلیاں کھاتا ہے (الا ماشاء اللہ)۔ اگر قول و عمل میں مماثلت ہو تو تبلیغ کے دائرے بڑھ جاتے ہیں اور باتیں پر اثر ہو جاتی ہیں۔

سطور بالا پر عمل درآمد ہو تو ان شاء اللہ جلسے کی شفافیت ہر طبقے کو آواز دے گی۔